وسیم عباس
پی ایچ-ڈی (سکالر)
ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

عمر ریوابیلا کے ناول ماتم ایک عورت کا
تجزیاتی و کرداری مطالعہ: موجودہ دور کے تناظر میں

Nowadays world becomes a global village. Everyone wants to know about culture and literature of the entire world .it is very difficult to learn every language of the world, so the translation plays the role of bridge to understand the group of these languages. Translation plays a very magnificent Role in the promotion and advertisement of different literature in any language. The tradition of translation has a historical back ground in history of literature. Asif Faurkhi is known as one of the best translators of Urdu literature. He gave most famous translated books to Urdu literature like "Sidhartha". He also translated one of the best novels of Omar Rivabella" Requiem for a women's soul" in Urdu language. He has the realistic approach of translation. This article discusses the characteristic analysis of the above-mentioned novel written by Omar Rivabella.

عمر ریوابیلا (Omar Rivabella) ارجنٹینا میں پیدا ہوئے لیکن کافی عرصے سے نیو یارک میں ادیب اور صحافی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کے زبردست موید ہیں۔ ان کے متعدد افسانے اور مضامین لاطینی امریکہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی بہت سی تحریریں انگیزی میں بھی ترجمہ ہوئی ہیں۔ یہ ناول انگریزی میں 1987ء میں شائع ہوا جسے ایک معروف مترجم آصف فرخی نے ''ماتم ایک عورت کا'' کے نام سے 2018ء میں سٹی بک پوائنٹ کراچی سے شائع کیا ہے۔ اس ناول میں مختلف قسم کے غیر انسانی رویوں کا بھرپور اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔ ناول میں معاشرے کے اندر پائے جانے والے انسانی اور غیر انسانی برتاؤ کو نہایت بے رحمی سے بیان کیا گیا ہے۔ مترجم آصف فرخی کے مطابق ''کرسچن سائنس مانیٹر نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کو جھیل جانا مشکل ہے یہ شدید مذمت کرتی ہے اذیت کے پورے سلسلے کی ان حکومتوں کی جو اس کے لئے احکام جاری کرتی ہیں اور ان معاشروں کی بھی جو اسے برداشت کر لیتے ہیں۔

ہر لفظ کئی پرتوں میں لپٹا ہوتا ہے لفظ کی درست تفہیم وتعبیر کے لیے اس کے اندرون میں پنہاں متضاد ومتنوع مفاہیم اوران مفاہیم میں پنہاں مناظر کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تب ہی متن پوری وضاحت کے ساتھ قاری پر منکشف ہوتا ہے۔ لکھنے والے کے کرب کو آصف فرخی ناول کا نیا فن میں یوں بیان کرتا ہے۔

'' لکھنے کا مطلب ہے اندر کی طرف رخ کرنے والی اس نظر کو الفاظ میں تبدیل کر دینا، اس دنیا کا مطالعہ کرنا کہ جس میں وہ آدمی سفر کرتا ہے جب وہ اپنے آپ میں سمٹ جاتا ہے اور یہ سب کچھ صبر، استقامت، ہٹ دھرمی اور مسرت کے ساتھ کرنا، جب میں اپنی میز پر بیٹھا رہتا ہوں، دنوں، مہینوں، برسوں کے لیے اور خالی صفحوں پر آہستگی کے ساتھ الفاظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو نئے سرے سے عالم وجود میں لا رہا ہوں۔ اسی طرح جیسے کوئی اور شخص ایک ایک اینٹ پتھر جمع کر کے گنبد یا پل بنا رہا ہو۔ جو پتھر ہم ادیب لوگ استعمال کرتے ہیں وہ الفاظ ہیں۔''[۱]

ادب کی دنیا میں ترجمہ نگاری کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور زندہ قومیں ہی ایسے کام کرتی ہیں جن سے ان کی ترقی اور سوچ کو وسعت ملے اور کسی دوسرے ممالک کے لوگوں کی عادات، احساسات، خیالات، کلچر، تہذیب وتمدن کو جانچنے کا موقع ملے ایسے میں ترجمہ نگاری کی اہمیت اور بھی مسلم ہو جاتی ہے۔ ترجمہ ایک فن ہے اور کوئی بھی فن آسان نہیں ہوتا۔

تاریخی اعتبار سے ترجمے کے دو ادوار بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک وہ دور جس میں مسلمان عروج پر تھے اور دوسرا دور یورپ کی بیداری کا دور یعنی (Renaissance) کا زمانہ جب تخلیق کا عمل سست پڑ رہا ہو تو تراجم ایک نئی فضا قائم کرتے ہیں۔ جو کہ ایک تازہ ہوا کے جھونکے کا کردار ادا کرتا ہے۔ ترجمہ دراصل تخلیق سے ایک الگ عمل ہے۔ ترجمہ شعوری طور پر منتقلی کا نام ہے۔ یعنی انسان شعوری طور پر کسی متن کو اس طرح تبدیل کرتا ہے جیسے ایک برتن سے کسی چیز کو دوسرے برتن میں انڈیلنا۔ جب تخلیق کار کسی ناہمواری یا پابندی میں جکڑے ہوئے ہوں تو ایسے حالات میں افسانوں، ناولوں اور نظموں کے تراجم کا رجحان بڑھ جاتا ہے اس طرح ان پابندیوں سے آزادانہ لہجہ اور جبر سے چھٹکارا ملنے کی بنیاد کھڑی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے ادیبوں کی یہ ضرورت بن گئی ہے۔ تخلیق کار تہذیبی وسماجی صورتِ حال کے پس منظر میں یعنی پابندیوں اور جبر کے باعث تخلیقات پر مجبور ہوتے ہیں اور وہ باتیں جو وہ خود نہیں بیان کر سکتے تو ایسی باتوں کو سماج کے اندر اجاگر کرنے کے لیے ترجموں کی زبان استعمال کرتے ہیں تاکہ جبر اور سماجی گھٹن کے حالات سے قاری چیزوں کو ایک حد تک موجودہ تناظر میں محسوس کر سکیں۔ ترجمہ بڑی مشق اور خاص صلاحتیں چاہتا ہے اردو ادب میں محمد

عمر میمن، اجمل کمال، ظ انصاری، حسن عسکری، شاہد حمید، ارشد وحید اور آصف فرخی نے بڑا نام کمایا ہے۔ آصف فرخی کے مشہور تراجم میں، ''سدھارتھ'' ناول کا نیا فن اور ''ماتم ایک عورت کا'' عمدہ نمونے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ آصف فرخی ترجمہ نگاری کے اصولوں سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔ اور ترجمہ نگاری سے مکمل انصاف کیا ہے۔ ماتم ایک عورت کا سماجی صبر اور اجتماعی گھٹن کے عہد میں غائب شیدہ افراد پر بیتنے والے حالات واقعات کا نوحہ ہے۔ دور حاضر میں دنیا کے مختلف خطوں اور مقامات میں اس قسم کے تشدد و جبر کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لیے ماتم ایک عورت کا، ایک عورت کا ماتم نہیں یہ تو ظلم اور تشدد کی پرانی اور عصر کے تمام صورتوں کے خلاف باقاعدہ ایک آواز ہے۔ یہ حالت جبر کا نوحہ ہے۔ اس نوحے میں ان تمام مظلوم، بے بس اور لاچاروں کی آہیں شامل ہیں۔ جو تشدد کے سلسلے کے شکار ہیں جو تشدد کے عمل کا نشانہ بنتے آرہے ہیں۔ یہ ماتم محض کردار ''سوزانا'' کا ماتم نہیں ہے۔ یہ تو ہر اس عورت کا ماتم ہے جو ''سوزانا'' کے ساتھ اذیت کے عمل سے گزرے ہیں ان سب مظلوم کرداروں نے بے حس اور شدت پسندوں کے ہاتھوں جسمانی وذہنی اذیت کا سامنا کیا ہے۔

ماتم ایک عورت کا موضوع ایک ایسی فوجی آمریت ہے جس نے ملک پر شکنجے جیسی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے ہزاروں افراد کو غائب کر دیا ہے اور غائب ہو جانے والے اکثر لوگوں کی روداد یا ماتم کا اظہار ہے۔ اس کتاب کا دائرہ عمل لاطینی امریکہ کا ملک ہے۔ جہاں حکومت کے غیر انسانی رویوں کی ترجمانی کرتا ہوا ایک شاہکار ناول سامنے آیا ایک ناول نگار کے مطابق ''اسے صحیح معنوں میں ''شاک'' پہنچانے والی کتاب قرار دیا ہے۔

اس کہانی کا دائرہ عمل لاطینی، امریکہ کا ملک ارجنٹینا ہے۔ جہاں حکومت کی تبدیلی نے ایسی فوجی آمریت کو فروغ دیا ہے کہ جس نے ملک پر شکنجے جیسی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے ہزاروں افراد کو غائب کرا دیا ہے۔ انہیں ظلم اور بربریت کا نشانہ بننے والے لوگوں میں ایک مظلوم اور بے قصور عورت ''سوازنا'' کا کردار بیان کیا گیا ہے۔ جس نے اپنے قیدی ساتھیوں کی مدد سے اپنے اور دیگر قیدیوں پر ہونے والے ظلم اور تشدد کو مرحلہ وار رقم کیا اور ''لوئیزا'' کے ذریعے وہ خطوط ایک پادری ''فادر انتونیو'' تک پہنچائے فادر انتونیو نے ان خطوط کو پڑھا اور ایک اذیت ناک مراحل سے گزرا۔ اور اپنی ذہنی کیفیت کو ایک کرب سے گزار کر مینٹل ہسپتال پہنچ گیا۔ اس کہانی میں ظلم وتشدد، بربریت، اذیت اور استحصال کے نت نئے طریقے اور قیدیوں کی موت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ کہانی کو جھیل جانا ایک بڑے حوصلے کی بات ہوگی۔

ناول کا موضوع جو خاص طور پر لاپتہ افراد ان کی اذیت ناک زندگی، گمشدگان کے لواحقین کی بے بسی اور معاشرے کی بے حسی کو نمایاں کرتا ہے۔ نہایت ہی باریک بینی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ناول گو کہ ارجنٹینا کی فوجی آمریت اور اس

کے خلاف جدوجہد کرنے والے انقلابی۔۔۔کاروں کے پس منظر میں لکھا گیا ہے مگر اس ناول کی ایک ایک سطر ایک ایک کردار پاکستانی سماج، وزیرستان کے لاپتہ افراد، کشمیر کی معصوم عورتوں، بلوچستان کے غائب شدگان اور اسی طرح ہر اس فرد کی عکاسی کرتی ہے جو اپنے حق کے لیے آواز اٹھائے، جو آزادی کے لیے نعرہ لگاتے ہیں جو اپنے لاپتہ افراد کی بازیابی کا رونا روتے ہوئے کبھی عدالتوں کے دھکے کھاتے ہیں اور کبھی پریس کلب کے باہر بھوک ہڑتالی کیمپ لگا کر اپنے پیاروں کی تصویریں سینے سے لگا کر لبوں پر ایک مسکراہٹ سجائے اپنی جاگتی آنکھوں میں اپنے پیاروں کی واپسی کا انتظار کی امید لیئے بیٹھے ہوتے ہیں۔

ریاست جب ناکام ہوتی ہے تو وہ اپنی ناکامیوں کا ملبہ کسی نہ کسی طرح سے مظلوم عوام پر ڈالنے کی کوشش کرتی ہے جس کی مثال ہمیں اسلام آباد میں کچی آبادی کے مکینوں کو بے دخل کر کے انہیں دہشت گرد قرار دے کر لاپتہ کرنے کی صورت میں نظر آتی ہے۔

> ''آئی ڈی پیز کے معاملے کو ترجیح دینی چاہیے کیوں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا گھر نہیں چھوڑتے وہ قدرت کی ستم گری کے باعث پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔اور بعض اوقات ریاست خود انہیں اپنا گھر بار چھوڑنے کی ہدایت کرتی ہے۔''۲

فوجی آمریت سے پھیلنے والا خوف اور آمریت کے ذریعے طاقت کا جارحانہ استعمال کرتے ہوئے معاشرے کے اندر پھیلنے والے انتشار اور لوگوں کی نفسیات کو ناول میں بیان کیا گیا ہے۔ناول میں کچھ کردار انتونیو فادر جو کہ مظلوموں اور غائب شدہ افراد کے حق میں آواز اٹھانے سے روکتے ہیں اور اسے منع کرتے ہیں اس خوف کی وجہ سے کہ اسے بھی غائب کر دیا جائے گا۔آمریت کے دور میں ان کے دور خلاف آواز حق بلند کرنے والوں کو غائب کروایا جاتا ہے اس کے رشتہ دار ساری زندگی اس کی واپسی کے منتظر رہتے ہیں۔مگر اس انتظار کے باوجود بھی اس کی لاشیں ملتی ہیں یا پھر اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ وہ اپنی سمعی، بصری اور ذہنی حالت کو اس سطح پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ تمام عمر مینٹل ہسپتال میں گزارتا ہے۔کہانی میں ایک کردار اسی کڑی کا سلسلہ ہے جو ان تمام تر کیفیات سے گزرنے کے بعد اپنا ذہنی توازن کھو دیتا ہے۔ناول میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے۔

> ''فادر انتونیو آج کل وفاقی ادارہ برائے ذہنی صحت کے اسپتال میں داخل ہیں، جمہوریہ کے دارالحکومت میں، جہاں مجھے ہفتے میں ایک مرتبہ ان سے ملنے کی اجازت ہے۔بڑے دکھ کے ساتھ میں آپ کو اطلاع دے رہی ہوں کہ سسٹر ٹڑا، جو ایک راہبہ ہیں اور جنہوں نے فادر انتونیو کی دیکھ بھالی اپنے ذمے لی ہے، یہ محسوس

کرتی ہیں کہ وہ دن بہت قریب آ گیا ہے۔ جب خداوند تعالی فادرانتونیو کو اپنے پاس بلا لے گا''۳

ناول میں قاری کو ایک ایسے کردار کی نفسیات پڑھنے کو ملتی ہے جو کہ واقعے کا کردار تو نہیں یعنی فادرانتونیو جو واقعات کو خطوط کے ذریعے پڑھ رہا ہے۔ یہ کردار خطوط پڑھ کر اذیت کو محسوس کرنے لگتا ہے تو اپنے وعظ میں تشدد اور اذیت رسانی کے خلاف ہو جاتا ہے۔ فادرانتونیو بحیثیت ایک مزاحمتی روئے اور ظلم و ناانصافی کے خلاف ایک باقاعدہ احتجاج ریکارڈ کراتا ہے۔ یہ کردار ضبط کی انتہا اور اذیت سہنے والے افراد کی عملی تصویر ہے کہ ظلم و تشدد کو پڑھنے والا کس حالت میں ہے تو جن پر ظلم پر کیا جا رہا ہے ان کی کیا حالت ہوگی؟ یہ احساس فادرانتونیو کے روح اور بدن کو دیمک کی طرح چاٹ گیا ہے۔ دیکھنے والوں کو یہ کردار نارمل انسان نہیں بلکہ ذہنی مریض نظر آتا ہے۔ نارمل اور غیر نارمل انسان کے بارے میں شہزاد احمد لکھتے ہیں:

''کوئی بھی ذہنی عمل یا حرکت اگر ایک حد سے تجاوز کر جائے تو ہم اس کو غیر نارمل قرار دیں گے۔۔۔ اگر ذہنی پریشانی یا خوف اس حد تک بڑھ جائے کہ ایک شخص کے لیے یک سوئی سے کوئی دوسرا کام کرنا مشکل ہو جائے تو ایسا شخص خوف یا پریشانی کی شدت سے عصبانیت (Neurosis) کا مریض کہلائے گا اور وہ غیر نارمل نفسیات کے لیے مطالعہ کا مضمون ہوگا۔۔۔''۴

ماتم ایک عورت کا ایک ایک سطر، ایک ایک کردار اذیت دینے والوں اور اذیت سہنے والوں کی کیفیات بہت باریکی اور جذبات کے ساتھ بیان کرتا ہے اذیت دینے والے انسانیت اور رحم دلی سے قاصر نظر آتے ہیں اور اس سانپ کی طرح نظر آتے ہیں۔ جو بھوک لگنے پر خود اپنے انڈوں کا شکار کر لیتا ہے۔ ناول میں اذیت دینے والوں نے ظلم اور بربریت کی ایک داستان رقم کی ہے اور نت نئے طریقوں سے قیدیوں کو سزائے دیتے ہیں اذیت دینے والے انسانیت کے درد سے عاری محسوس ہوتے ہیں ناول میں اس طرح کے حالات کا بیان یوں ہوتا ہے۔

''جب ان لوگوں نے مجھے پورا باندھ دیا تو ان دونوں عورتوں میں سے زیادہ عمر والی کی طرف گئے، اور جو استاد معلوم ہوتا تھا، بجلی کا تار اُسے لگانے لگا اور نارزا اور ایل رینگو دیکھتے رہے۔

زیادہ عمر کا آدمی بڑ بڑانے لگا، ''اینا۔۔۔ اینا۔۔۔ اینا'' اور میں ہڈیوں میں گودا جما دینے والی چیخیں سنتی رہی۔

اذیت دینے والا بار بار اُس عورت سے پوچھتا رہا کہ دہشت گردوں کا اسلحہ خانہ کہاں ہے۔ مگر وہ جواب سننے کے انتظار بھی نہ کرتا اور ''لا پیکانہ'' دوبارہ لگانے لگتا، کہ یہ مذاق کا وہ نام تھا جو انہوں نے اس شیطانی بجلی کے تار کو دے رکھا تھا۔ نارزا نے اذیت رسانی کا سلسلہ روک دیا اور زمین کا جوتا ڑ جوڑنے لگا، جو دوسری

عورت کے پیروں پر سے گر گیا تھا۔ وہ عورت نہیں، سولہ سال کی خوبصورت لڑکی تھی۔

اس نے جب تار سے میرا سر، میری آنکھوں کے پپوٹے اور میرے بازو چھوئے تو صدمے کی ایک لہر میرے سارے بدن میں آسمانی بجلی کی طرح تیر گئی، میرے دل کی دھڑکن کا انداز بدل گیا۔ مگر جب اس نے میری چھاتیوں کو چھوا تو مجھ درد ہی نہیں غصہ بھی آیا۔ وہ بجلی کا تار دھیرے دھیرے میرے پیٹ سے نیچے لاتا رہا اور سارا وقت میری لرزش دیکھتا رہا۔ اس نے کئی بار میری شرم گاہ کے گرد تار گھمایا اور اس کو تار سے چھو دیا۔

اچانک اس نے تار میرے مقعد میں گھسیڑ دیا اور بھیانک درد کی شدت سے مجھے دیوانگی کی سرحدوں تک لے آئی۔

اس دوران وہ مجھ سے بھی دہشت گردوں کے اسلحہ خانے کے بارے میں پوچھتا رہا، مگر اس نے بھی مجھے جواب دینے کا موقع نہیں دیا۔ اسی لمحے وہ شخص جو بڑی عمر کی عورت کو اذیت دے رہا تھا، لڑکی کی طرف مڑا اور بجلی کی تار اُس کی شرم گاہ میں ٹھونس دیا۔ لڑکی کا جسم پھڑک کر دوہرا ہو گیا اور بُری طرح کانپنے، اینٹھنے لگا۔ وہ انتظار کرتا رہا کہ جسم اپنے معمول پر واپس آئے، اور پھر اس کی چھاتیوں کی نوک پر بجلی کا تار چھوانے لگا۔

اینا اور ہتھکڑی پہنے ہوئے دونوں قیدی اس اذیت پسند کو چیخ چیخ کر گالیاں دینے لگے۔ ایک اور محافظ نے ریڈیو کی آواز تیز کر دی۔۵

ناول میں اذیت اور بربریت کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی ناول پڑھتے ہوئے کئی بار اس اذیت کو اپنی رگوں میں سرائیت کرتا ہوا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناول کا تعلق ارجنٹینا میں ہونے والی آمریت سے پیدا ہونے والے حالات ہیں۔ لیکن ہمارا معاشرہ بھی دور حاضر میں اس قسم کی صورتحال کا شکار نظر آتا ہے ماورائے عدالت قتل، جعلی پولیس مقابلے ایک معمول بن چکے ہیں۔ ان تمام تر حالات اور غیر یقینی صورتِ حال میں پاکستانی سماج اور عدالتیں، قانون، صم بکم کی تصویر بنے بے بسی کی آخری حدوں کو پھلانگتا نظر آتا ہے خود مترجم آصف فرخی کے مطابق

''اس زبان کی ایک اہم ترین بات اس کی تکلیف ہے۔ اس میں ایک تکلیف پنہاں ہے۔ اور پھر اس ناول کی جو کہانی ہے کہ جو پادری کو جوں جوں واقعات کا علم ہوتا جاتا ہے، وہ ایک نفسیاتی کیفیت کا شکار ہوتا جاتا ہے۔ تو اس زبان کا ترجمہ کرنے میں بھی مجھے یہ لگا جیسے میرے اوپر تشدد ہو رہا ہے اور میں بڑی تکلیف میں ہوں۔ میں اس کا ترجمہ کرتا تھا اور پھر ایک آدھ صفحے کے بعد رکھ دیتا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں صدمے سے دو

چار ہوا ہوں۔ پڑھنے والا بھی اسی صدمے سے گزرتا ہے۔۶

ناول میں اذیت دینے والوں اور سہنے والوں کی نفسیات کا جو بیان ملتا ہے اس میں ہمیں انتونیو فادر کا کردار بڑا ہی کنفیوژن کا شکار نظر آ رہا ہے۔ وہ فادر جو کہ ظلم کو محسوس کر رہا ہے روکنے کی کوشش کرتا ہے تو خود کسی حد تک پہنچا تا ہے۔ اس کی کیفیت کا اندازہ ہمیں انتونیو فادر کے کردار سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ناول میں انتونیو فادر ایک ایسا محرک کردار ہے جو کہ اپنے اردگرد کے معاملات سے بخوبی آگاہ ہے لیکن اپنی بے بسی کی وجہ سے انجام مینٹل ہسپتال کو پہنچا تا ہے۔

''فادر مارٹن اور فادر ارنستو کا کہنا ہے کہ یہ سننے کے بعد فادر انتونیو قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کئی گھنٹے بے قابو ہو کر مسلسل ہنستے چلے گئے۔

ڈاکٹر کو دوبارہ بلوایا گیا اور اُس نے تجویز کیا کہ فادر کو ذہنی صحت کے ادارے لے جایا جائے، جہاں وہ اب ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے دیکھ کر خوش بھی ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ ہر چیز کو بغیر کسی تاثر کے گھورتے رہتے ہیں۔

بعض مرتبہ وہ ایسے نام یا الفاظ بڑبڑاتے ہیں جنہیں صرف میں ہی سمجھ سکتی ہوں، وہ اس مسودے میں سے ہیں''۷

کسی بھی ناول کی عظمت کا انحصار کردار نگاری پر بھی ہوتا ہے اعلیٰ کردار نگاری کا دارومدار ناول نگار کی فنکاری پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی ناول نگار کی کردار نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ مختلف کرداروں کو ہمارے سامنے پیش کرے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ان کا نقشہ پھر جائے اور ہم ان کی شکل وصورت اور گفتار و کردار کو بھی نہ بھول سکیں۔۔۔ایک ماہر فنکار یہ جانتا ہے کہ کن جزئیات کا ذکر کرنا چاہیے اور کن کو ترک کر دینا چاہیے، تاکہ ناظرین خود اپنی قوتِ تخیل سے اس خلا کو پر کر لیں۔''۸

''ماتم ایک عورت کا'' وزیرستان میں غائب ہونے والے افراد ریاست کے وہ باشعور نوجوان کی بھی ایک کربناک نظر پیش کرتا ہے جو نوجوان ہماری قوم اور پاکستان کا اثاثہ ہیں آج وہی نوجوان گھر سے کالج کے لیے جاتے ہیں تو واپسی پر نامعلوم افراد سرعام اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ اپنے حق کے لئے آواز اٹھانا جرم و دہشت گرد قرار دے کر لاپتہ کئے جاتے ہیں۔

ناول کے ایک اہم کردار ''سوازنا'' جو کہ اپنی مظلومیت کے سبب قاری پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ظلم کی تعریف ظالم

الگ طرح کرتا ہے۔مظلوم الگ طرح کی کرتا ہے۔لیکن ظلم کو دیکھنے والا پڑھنے والا ایک کربناک حالات کا شکار بنا رہ نہیں سکتا۔ناول میں انتہائی غیر انسانی رویوں کی ترجمانی کی گئی ہے۔''سوازنا'' اہم کردار ہے جس کے گرد کہانی گھومتی ہے۔ سوازنا کے ساتھ ہونے والے ظلم اور تشدد کے بیان کو خطوط کے ذریعے انتونیو فادر کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔اس کردار پر بلکہ دیگر قیدیوں پر جو تشدد کیا جاتا ہے اس کا بیان خطوط میں کیا جاتا ہے۔انتونیو فادر جب سوازنا کے گھر ان کے والدین کے پاس جاتا ہے تو جن حالات کا ذکر وہاں ملتا ہے۔اس کا بیان ناول میں یوں کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب آرام کرسی پر بیٹھے تھے اور ان کی نظریں سامنے رکھے مرتبان پر کڑی ہوئی تھیں۔میں نے انہیں سلام کیا تب بھی انہوں نے کوئی حرکت نہ کی۔

جو مرتبان اُن کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، وہ کسی گاڑھے اور خون آلود سیال سے بھرا ہوا تھا اس میں کوئی ایسی چیز تھی جو پہلے پہل میری سمجھ میں نہیں آئی۔

''یہ کیا ہے؟''میں نے سوازنا کی ماں سے پوچھا۔

''دکھاؤ اسے دکھا دو اس کو۔'' اس سے پہلے کہ وہ عورت جواب دے پاتی، سوازنا کے والد اپنی اس ساکت حالت سے نکل آئے۔

''نہیں، ایدودو! خدا کے لیے نہیں!'' وہ گڑگڑانے لگی۔

میں میز کی طرف گیا، مرتبان اٹھایا اور اُس کا معائنہ کیا۔

میں اور بھی حیران رہ گیا جب اس کے اندر سے دھات کی کسی چیز کے مرتبان کے شیشے سے ٹکرانے کا چھنا کا سنا۔مرتبان میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔میں قے کرنے والا تھا۔

اس کے اندر دو ہاتھ تھے جنہیں کلائی کے پاس سے کاٹا گیا تھا۔ایک ہاتھ کی بیچ والی انگلی پر انگوٹھی تھی۔وہ دونوں اس خون آلود سیال میں تیر رہے تھے جیسے کسی ہولناک رقص کی حالت میں ہوں۔اس انگلی پر جو انگوٹھی پہنی تھی وہ سوازنا کی منگنی کی انگوٹھی تھی۔۹

''ماتم ایک عورت کا'' جب اپنے اختتام کو پہنچتا ہے تو قاری کی حالت غیر ہوتی ہے کہ ایک بے بس اور لاچار انسان معاشرے میں موجودہ عدم مساوات اور غیر انسانی رویوں پر بات کرنا سوال اٹھانا مناسب نہیں سمجھتا۔راقم کے نزدیک ظلم کی تعریف مظلوم اور ظالم دونوں الگ طرح سے کرتے ہیں۔لیکن اس سے ہٹ کر ظلم کو دیکھنے والا، ظلم کو پڑھنے والا جن مراحل

سے گزرتا ہے اس میں انسان کی حالت کسی نفسیاتی مریض سے کم نہیں ہوتی۔لیکن معاشرہ تضادات کی ضد میں ہے۔تو ایسے حالات سے انسان کا واسطہ معمول کا قصہ بن گیا ہے۔ ناول میں غائب افراد مظلوم کرداروں کی کہانی کا ماتم ایک ایسی صورتحال کی طرف اشارہ جس کے بارے میں مترجم آصف فرخی کا کہنا ہے۔

''آصف فرخی: اذیت رسانی کے اس سارے عمل میں تین لوگ بار بار سامنے آرہے ہیں۔ پہلا شخص جو اس کا شکار ہے۔اس کے بارے میں ہم کس قدر جانتے ہیں کہ اس پر جسمانی یا نفسیاتی اثرات کیا مرتب ہوں گے۔خود ہمارے معاشرے میں بھی اس قسم کی دستاویزات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ لوگوں پر کیا گزری۔لیکن دوسرا شخص جو اس سب کا ذمہ دار ہے،اس کی نفسیات کے بارے میں بھی آپ نے اشارہ کیا ۔ مجھے پھر بھی یہ شخص غیر حقیقی سا لگتا ہے۔ادھر میں کہانیں کے جس سلسلے پر کام کر رہا ہوں،تو ان کہانیوں میں ایسے کردار کو پیش کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہو سکا جو اذیت پہنچاتا رہا ہو۔اس لیے میں اس کردار کی کھال کے اندر گھس نہیں سکتا۔بحر حال آپ نے بتایا ہے کہ وہ کون ہے اور کیا سوچتا ہوگا۔اس سے بھی زیادہ حیران مجھے وہ تیسرا آدمی کرتا ہے جو اذیت رسانی کی خبر اخبار میں پڑھتا ہے۔اور اس کو پڑھ کر اپنے اسی طریقے سے زندگی کرتا رہتا ہے۔کیا یہ محض اخباری آدمی ہے اور اس کے رویے کے ذمہ دار اخبارات ہیں۔اس ترجمے کے دوران میں یہ سوچتا رہا اور ڈرتا رہا کہ اس معاشرے میں ایسی مزید مثالوں کی تشہیر کی اور کیا ضرورت ہے،اور کہیں اس کتاب سے اذیت دینے والوں کو چند اور نئے طریقے نہ معلوم ہو جائیں۔اس کتاب کو پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے سنسنی محسوس کریں، پھر کتابوں کے ڈھیر میں واپس رکھ دیں۔''

''اس ناول کے ترجمے کا جواز یہی تھا''۱۰

ناول میں پیدائش سے موت تک کی زندگی میں جو واقعات کارفرما ہوتے ہیں اور جن حالات واقعات سے وہ گزرتا ہے ان کا ذکر ملتا ہے ناول کا موضوع زندگی اور اس کے مسائل کو حقیقی اور کھردرے انداز میں اجاگر کرنا۔

ڈاکٹر محمد حسن ناول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ادبی مرتبے کے ناولوں سے مراد وہ ناول ہیں جن میں موضوع کے اعتبار سے فکری صلاحیت اور طرز تحریر میں ادبی چاشنی موجود ہو۔۔۔گویا ناول کی عظمت کی بحث کا مدارس کی جمالیاتی اقدار کے ساتھ ساتھ ان کی فکری اقدار پر بھی ہے، جو قاری کے تصورات کو نئی سمت میں لے جاتا ہے اور زندگی کی بصیرت کو نیا موڑ دینا ہے۔''۱۱

ناول کے کردار پادری انتونیو اذیت سہنے والوں سے زیادہ اذیت کا شکار نظر آتا ہے۔اس کردار کو پڑھتے ہوئے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ایک نارمل انسان ایک کیفیت کو پڑھ کر کس قسم کی صورتحال کا شکار ہوتا ہے۔ایک ادارہ یا ایک گروہ جو کسی شک یا سہولت کار ہونے کی وجہ سے ریاست کے باشندوں کو اٹھاتا ہے اور غیر انسانی رویوں سے جسمانی اور ذہنی تشدد کا شکار بناتی ہے۔ان تمام تر حالات کو انور سن رائے یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ ناول اس اعتبار سے بہت اچھا ماڈل ہے کہ ایسی چیز کا ہونا، اور اس کی شخصیت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔پھر دوسرے فرد کا اس کو پڑھنا اور پڑھتے ہوئے اس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔تیسرا فرد جو اس کو لکھتا ہے، اس کے بارے میں ہمیں ناول سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔لیکن پادری کا کردار جو ہے، وہ جوں جوں پڑھتا جا رہا ہے۔وہ Disorder اس میں رونما ہوتا جا رہا ہے۔آہستہ آہستہ اس کے ملازمہ سے تعلقات منقطع ہوتے ہیں، اس کے سرمنز کا انداز تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ آخر میں بالکل ایک منتشر شخصیت کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔تو میں سمجھتا ہوں کہ انتظار کی اصل حقیقت تک رسائی کے لیے منتشر شخصیت کا وسیلہ ضروری ہے۔جب تک آپ اس Disorder میں شامل نہیں ہوں گے، اس کی اصل ماہیت کو آپ اپنے شعور میں نہیں لا سکتے۔''۱۲

ماتم ایک عورت کا کا ہر سطر، ایک ایک کردار ہمارے عہد کے پاکستانی سماج کی عکاسی کرتا ہے۔جہاں ہمیں بلوچستان، کشمیر اور وزیرستان کے لاپتہ افراد کی ترجمانی ملتی ہے۔لیکن اس پہلو کی طرف کتاب کی پشت پر لکھا گیا جملہ ہی کافی ہے''اس کتاب کو جھیل جانا مشکل ہے، یہ شدید مذمت کرتی ہے اذیت کے پورے سلسلے کی۔ان حکومتوں کی جو اس کے لئے احکام جاری کرتی ہیں اور ان معاشروں کی بھی جو اسے برداشت کر لیتے ہیں۔کیا اس آخری فقرے کی ذد میں ہم اور آپ نہیں ہیں؟

اذیت دینے والوں کے پاس قومی سلامتی اور انتشار کو روکنے کی دلیل ہوتی ہے۔لیکن ظلم بربریت کے شکار افراد سے زیادہ ان حالات سے باشعور طبقہ جس قدر متاثر ہوتا ہے اس ظلم و بربریت کے سماج پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس کی مثال ہمیں پادری انتونیو کی صورت میں ملتی ہے۔اور اذیت کے عمل کو دفاع کرنے والوں کی کیفیت کا بیان ناول میں یوں کیا گیا ہے۔

''ان میں سے اکثر اتنے معصوم نہیں ہیں۔جتنے آپ سمجھ رہے ہیں۔بہر حال، اذیت رسانی سے لادینی عقائد کا خاتمہ ممکن ہو۔یہ جتنا بھی قابل نفرت معلوم ہو، ہمیں بعض مرتبہ اذیت پہنچانے والے لوگوں کی نفرت

اورظلم کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔تا کہ ہم اپنی اخلاقی اقدار کی حفاظت کا مقصد حاصل کرسکیں‘‘۔کپتان نے ایسے لہجے میں کہا کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا کہ اس کے اپنے خیال میں وہ سو فیصد درست تھا۔اس کی بات جاری رہی:

’’اذیت پہنچانے والے آپ کے ناپسندیدہ ہوں گے،لیکن وہ بھی لاشعوری طور پر اپنی جان تک اس مقصد کے لیے قربان کردینے کو تیار ہیں۔جسے وہ نیک اوراعلی خیال کرتے ہیں۔‘‘

’’آپ اپنے آپ کو ولی قرار دیتے دیتے رک گئے۔‘‘میں نے کہا۔

’’وہ کچھ کرتے ہیں اپنے پیاروں کی بہتری کے لیے کرتے ہیں،بیوی،بچے،گھر والے۔اوراس کلیسا کے اعلا مقاصد کی حفاظت کے لیے بھی،جس کی نمائندگی آپ کرتے ہیں،فادر۔‘‘۱۳

ماتم ایک عورت کا ناول کے آخر میں ایک مکالمہ پڑھنے کوملتا ہے۔جس میں پروفیسر سید ہارون احمد،انور رائے،آصف فرخی مکالماتی انداز میں ایک دوسرے کے سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہے۔اس میں اذیت دینے والوں اور سہنے والوں کی طرف آصف فرخی کا اشارہ ملتا ہے۔

ماتم ایک عورت کا ہرسطر ہر کردار ظلم و بربریت کا شکار ہے اس میں لوئزا،سوازنا،تنویر،سوازنا کا منگیتر،اینا، سلویا پوری،ایلیشاء،رولتو،اس سے بڑھ کے اذیت کے شکار انتونیو پادری کا کردار ہے جو کہ ظلم و بربریت کو پڑھ کر ایک نارمل انسان سے مینٹل ہسپتال تک پہنچ جاتا ہے۔ان حالات کو دیکھنے کے بعد ناول کے بعد میں شرکاءاذیت دینے والوں کی نفسیات پر ایک مکالمہ کرتے ہیں جن کو یہاں پر پیش کیا جاتا ہے۔

’’انوررائے سن:جن لوگوں کو تشدد کرنے کے لیے ہمارے ریاستی اداروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ان کی سماجی زندگیاں بھی خاصی منتشر ہوتی ہیں۔وہ اس تشدد کے اثرات کو کیسے overcome کرتے ہیں۔ہمارے ہاں سب سے زیادہ اندوہناک یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس نفسیاتی کیفیت کا نفسیاتی بیماری ہی نہیں تسلیم کرتے۔ایسی ہی ایک واردات کے بعد اس کا نظام ہضم متاثر ہوجاتا ہے،اس کو نیند کم آتی ہے،اس کی فیملی لائف متاثر ہوتی ہے،میاں بیوی کے تعلقات متغیر ہوجاتے ہیں،ان سب چیزوں کا ہم نوٹس نہیں لیتے۔

ڈاکٹر ہارون احمد:لیکن یہ ایک ایسے شخص کے اوپر اثرات کی نوعیت بھی ذرا مختلف ہوتی ہے۔مثلاً پولیس فورس ہے اس میں کون لوگ کس طرح لیے جاتے ہیں۔ان کا چناؤ اس بات پر ہوتا ہے کہ کون زیادہ تشدد کر سکتا

ہے، زیادہ اثر لیے بغیر۔ اس کی مثال ان بچوں سے دی جاسکتی ہے جن میں Minimal Brain Damage کی کیفیت ہے۔ان میں بعض بچے ایسے ہیں جن میں تشدد کرنے کا رجحان زیادہ ہے۔مثلاً انھوں نے مرغی لی اور اس کی گردن توڑ مروڑ دی۔کہیں اس کو ماچس مل گئی تو اس نے آگ لگادی۔اب بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو تشدد کر کے ذاتی تسلی محسوس ہوتی ہے۔بچپن میں بھی ان میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔اور جب بڑے ہوتے ہیں تو ایسے لوگ جو تشدد کرتے ہیں، ایسی جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی فیملی سے ان کا رابطہ محدود ہوتا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ پولیس میں ہیں، وہ چوبیس گھنٹے اس سلسلے میں رہتے ہیں، ان کی ڈیوٹی اس طرح کی ہوتی ہے۔۔۔۱۴

فوجی آمریت سے پھیلنے والا خوف اور آمریت کے ذریعے طاقت کا جارحانہ استعمال کرتے ہوئے معاشرے کے اندر پھیلنے والے انتشار اور لوگوں کی نفسیات کو ناول میں بیان کیا گیا ہے۔ناول میں کچھ کردار مظلوموں اور غائب افراد کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں۔خصوصاً پادری انتونیو کی صورت میں لیکن پادری کو منع کیا جاتا ہے ڈرایا جاتا ہے کہ آپ بھی لاپتہ ہو سکتے ہیں یہ سب کچھ قومی سلامتی کے لیے ہو رہا ہے۔تاریخ انسانی میں یہ دیکھنے کو ملا ہے کہ فوجی آمریت کے دور میں ظلم اور لاپتہ افراد کے خلاف آواز حق بلند کرنے پر غائب کرایا گیا ہے۔اس دوران ذہنی اور جسمانی طور پر شدید تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یہ قیدی واپسی پر ایک نارمل انسان کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا۔

لاپتہ افراد کے بارے میں عمومی تاثر دیکھنے سننے کو ملتا ہے اس میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جو بھی افراد غائب کئے جاتے ہیں وہ ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں استعمال ہو رہے ہیں۔ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث، دہشت گردی اور دیگر جرائم میں ملوث ہیں۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔ملک کے اہم اداروں کی طرف سے آئے روز میڈیا پر لاپتہ افراد کے بارے میں اس قسم کی باتیں اور کہانیاں سنائی جاتی ہیں اور معصوم بے گناہ لوگوں کو مجرم بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ان تمام تر حالات کے بارے میں حفیظ بزادر لکھتے ہیں۔

''جب آپ کی عدالتیں اپنی رپورٹ میں یہ کہتی ہیں کہ جبری گمشدگیوں کے ذمہ دار آپ کے کچھ ادارے ہیں اور مسخ شدہ لاشوں کی برآمدگی بھی انہی سے ہو رہی ہے اور یو این ورکنگ گروپ جو کہ جبری گمشدہ لوگوں کے حوالے سے چھان بین کرنے کے لیے پاکستان آیا تھا۔وہ ابھی اپنی ابتدائی رپورٹ میں کچھ اس طرح کی بات کرتا ہے اور بلوچستان کی عوام کا عمومی تاثر بھی یہی ہے تو پھر یہ سب لوگ شاید غلط نہ ہوں تو اس میں یہ سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ جن کو ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے وہ دنیا کی نظروں کے سامنے، نیا منظر نامہ، نیا تھیٹر یا نئی کہانی سنانا چاہتے ہیں دنیا کو بتانا چاہتے ہیں۔۔۔''۱۵

''ماتم ایک عورت کا'' قاری پر ان معاملات کا اثر بہت جلد ظاہر ہونے لگتا ہے اور وہ اس ظلم اور بربریت کو محسوس کر سکتا ہے اس کہانی کو جھیل جانا قاری کے لیے ایک بہت بڑا امتحان ہے۔ ایک غیر یقنی صورتحال سے دوچار ہو جاتا ہے ان قیدیوں کے حالات پڑھ کر دماغ ماوف ہو جاتا ہے۔ براہ راست قاری کے دماغ پر اثر انداز ہونے والی کہانی اپنے آپ کو ایسے معاشرے کا حصہ سمجھ کر اس کہانی کو اپنے اندر سمو لینا بہت مشکل بات ہے۔ اذیت در اذیت تشدد اور انسانیت کی پامالی اخلاقی پامالی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ کسی بھی خطے میں جہاں ریاستی جبر اور گھٹن کا سامنا ہوگا وہاں اذیت تشدد اور مظلوموں کی ایسی بھیانک صورتیں ابھرتی ہونگی۔ ایسے میں یہ کہنا کسی حد تک مناسب ہوگا کہ عمر ریو ابیلا کا یہ ناول کوئی نیا تجربہ نہیں لیکن حالت حاضرہ کے پیش نظر اپنی نوعیت کا اہم ناول ہے۔ اس ناول کا دائرہ کار زمان و مکان سے ماورا ہے۔ ہمارے معروض میں ایسے واقعات معمول کا حصہ ہیں۔ تشدد انسانی جبلتوں میں سے ایک جبلت کا نام ہے۔ تشدد کی تاریخ انتہائی بھیانک ہے یہ تشدد کا عمل ہمیشہ مفادات کے ٹکراؤ کے پیچھے میں سامنے آتا ہے حاکم و محکوم، ظالم اور مظلوم اسے جنم دیتے ہیں۔ تشدد کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں تشدد برائے تشدد، تشدد برائے تسکین الغرض! تشدد انسانی وجود سے باہر کی چیز نہیں یہ انسان کا رویہ ہے۔ عمر ریو ابیلا کا ناول ماتم ایک عورت کا معاشرے کے اجتماعی بے حسی اور ظلم کی تصویر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ آصف فرخی، میرے والد کا سوٹ کیس، مشمولہ ناول کا نیا فن، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، س اشاعت ۲۰۱۸ء، ص ۷۰

۲۔ آئی اے۔ رحمان، ریاستی ناکامی کی طویل داستان کا نیا باب، مشمولہ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے رواداری، دلیل پسندی اور انسانی حقوق کی اہمیت، سن اشاعت اپریل ۲۰۱۶ء، مدیر حفیظ احمد بزدار، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ایوانجمہو رے ۱۰۷ء، ٹیپو بلاک، نیو گارڈن، لاہور، ص ۱۰۶ء

۳۔ آصف فرخی، ماتم ایک عورت کا، گلشن اقبال، کراچی، اشاعت ۲۰۱۸ء، ص ۱۲۱

۳۔ شہزاد احمد، فرائیڈ کی نفسیات، دور دور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹، ص ۱۲۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۶۔ آصف فرخی، ہارون احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، انور سن رائے سے مکالمہ بعنوان خون جم رہا ہے آنکھوں میں، مشمولہ ماتم ایک عورت کا، ص ۱۴۹-۱۴۸

۷۔ ایضاً، ص ۱۲۲

۸۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۱

۹۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۱۔ محمد افتخار شفیع، اصناف نثر کتاب سرائے الحمد پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۷۳-۷۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۳-۱۳۵

۱۵۔ ایسا کریں یا ایسا نہ کریں Make it happen Or let it Happen، مشمولہ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے رواداری، دلیل پسندی اور انسانی حقوق کی اہمیت، سن اشاعت اپریل ۲۰۱۶ء، مدیر حفیظ احمد بزدار، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ایوان جمہور ۱۰۷، ٹیپو بلاک، نیو گارڈن لاہور، ص ۱۰۷